Date of Publication: 16-01-2013

PRICE Rs. 2/-

POSTED ON 17-18 Jan. 2013
R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

22-28 January 2013
Issue: 4, Vol.: 72

۲۲ تا ۲۸ جنوری ۲۰۱۳ء
شمارہ نمبر: ۴، جلد نمبر: ۷۲

ہندستان کا معاصر منظرنامہ اور

اردو ذریعۂ تعلیم کے امکانات

ایس. سی. گھوش (سابق پروفیسر ذاکر حسین سینٹر فار ایجوکیشنل اسٹڈیز، جواہر لال نہرو یونیورسٹی)

عہد دہلی نے جو میراث جدید ہندستان کو منتقل کی تھی اس میں ایک نئی زبان بھی شامل تھی آج جس کو زبان اردو کہا جاتا ہے اور جو زندگی کی تمام ضرورتوں سے ہم آہنگ ہے، جس کا علمی و ادبی سرمایہ ہندستانی زبانوں میں وسیع ترین ہے۔ وجود میں آنے کے بعد اس زبان کو مختلف نام دیے گئے، کبھی زبان ہندو کبھی ہندوی اور کبھی ریختہ۔ اس زبان میں ہندی، سنسکرت، عربی اور فارسی کے وہ الفاظ ہمیشہ شامل رہے ہیں جنھیں عوام بولتے ہیں اور جو تمام ملک میں ایک سے دوسرے سرے تک سمجھے جاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اردو میں ترکی الفاظ کی شمولیت کا عمل ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک کے زمانے میں شروع ہوا مگر یہ ترکی الفاظ بھی وہی لفظ تھے جن کا ہندستانی مزاج سے اختلاط ممکن تھا۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ طوطی ہند امیر خسرو جن کا غیاث الدین بلبن سے لے کر غیاث الدین تغلق تک کے درباروں سے تعلق رہا اور جو علاء الدین خلجی کے دربار سے بھی وابستہ تھے، انھوں نے کچھ شاعری اردو زبان میں بھی کی ہے۔ بہ حیثیت زبان اردو صرف دہلی اور آگرہ کے درباروں تک محدود نہیں رہی بلکہ دکن کے بیجاپور اور گول کنڈہ کی ریاستوں نے بھی اس کی نشو و نما میں حصہ لیا اور سترہویں صدی میں شمس ولی اللہ جو اورنگ آباد کا رہنے والا تھا اور مشہور شاعر و دانش ور سراج دہلوی کا ہم عصر بھی، اس نے اردو شاعری کو ایک مستقل مقام عطا کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ اس کے بعد کے برسوں سے لے کر اٹھارہویں صدی کے وسط تک اردو زبان و ادب کا ایک نیا اسکول دہلی میں وجود میں آیا جو کہ ولی دکنی کی اردو شاعری سے متاثر شعرا کا علمی گہوارہ تھا اور جب اٹھارہویں صدی کے وسط میں مغلیہ حکومت دہلی اور اس کے اطراف سمٹ کر رہ گئی تب یہ علمی و ادبی مرکز دہلی سے ہٹ کر لکھنؤ منتقل ہو گیا، جہاں اردو شاعری میں نئی کلیاں اور غنچے پھوٹے۔

مورخین کے مطابق اردو کی پیدائش ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ زبانوں کی آمیزش کا نتیجہ تھی لیکن میرا خیال ہے کہ یہ لازمی عمل ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ تہذیبی اور ثقافتی آمیزش کی ضرورت بھی تھا اور جس طرح عہد وسطیٰ میں عوام نے فارسی اور سنسکرت کو اپنی اقتصادی اور مذہبی امور کی زبان بنا رکھا تھا، اسی طرح اردو دہلی کے سلطانوں اور مغل بادشاہوں کے وارثوں اور ان سے وابستہ لوگوں کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ بن گئی تھی۔ 'اردو' ایک ترکی لفظ ہے جس کے لغوی معنی 'لشکر' کے ہیں۔ یہ لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اردو صرف حکمرانوں اور سلاطین کی ہی زبان نہیں تھی بلکہ فوجیوں اور سماج کے تمام طبقات کے درمیان رابطے کی زبان تھی، مثال کے طور پر شاہ جہاں کے وقت میں دہلی کا نام شاہ جہاں آباد تھا اور یہاں جو زبان بولی جاتی تھی اسے 'اردوے معلّی' کہا گیا۔ برطانوی حکومت نے ۱۸۳۵ء میں جب فارسی کی جگہ انگریزی کو اقتصادی اور سرکاری ضرورتوں کے تحت نافذ کیا تو اردو کا ان لوگوں تک محدود ہو جانا فطری تھا جو انگریزی نہیں پڑھ سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ عوام الناس تھے اور بہت بڑی تعداد میں ہندستان کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ یوں اپنے مزاج سے ہندستانی مگر فارسی کے قریب ہونے کے سبب اردو نے فطری طور پر اس وقت فروغ حاصل کیا جب انگریزی سرکاری زبان بنا دی گئی۔

جب وسطی ہندستان میں اردو ایک مستقل بالذات زبان کی شکل اختیار کر رہی تھی اسی وقت دیگر مقامی زبانیں بھی مقامی بولیوں کے زیر اثر مذہبی مصلحین کے واسطے پرورش پا رہی تھیں، مثلاً امانند، ولبھا چاریہ، چیتنیہ، نامدیو، کبیر اور نانک کی تقاریر اور مذہبی وعظوں میں فطری طور پر ان ہی زبانوں کا استعمال ہوتا تھا اور ان کو ریاستی مسلم حکمرانوں جیسے بنگال اور کشمیر کے حکمرانوں کی سرپرستی بھی حاصل تھی۔ لسانی بنیادوں پر ریاستوں کی تشکیل جدید (۱۹۵۶ء) کے بعد تو اردو کی تباہی لازمی ہو گئی کیوں کہ اس کے بعد فطری طور پر علاقائی زبانوں نے بہت ترقی کی۔ اردو کو شمالی ہند کے بجائے صرف صوبہ جموں و کشمیر کی سرکاری زبان قرار دے کر نہ صرف اردو بلکہ کشمیر کی زبانوں کے ساتھ سخت زیادتی کی گئی۔ اردو کو جموں و کشمیر کی زبان قرار دیے جانے کے بعد اہل وطن نے اسے مسلمانوں کی زبان تصور کر لیا مگر اس غلط فہمی کے لیے ہماری قومی لسانی پالیسی ذمے دار ہے۔ اردو کو جب مسلمانوں پر مسلط کر دیا گیا تو انھوں نے اس بے انصافی پر کوئی احتجاج نہیں کیا مگر سچ بات تو یہ ہے کہ آزادی کے بعد مسلمانوں نے اپنے خلاف ہونے والی کسی بے انصافی پر کبھی کوئی احتجاج کیا ہی نہیں۔ تعلیم اور

'ہماری زبان' کا پروفیسر حنیف احمد نقوی نمبر

اردو کے مشہور و ممتاز ادیب، محقق اور ماہر غالبیات پروفیسر حنیف احمد نقوی کی حیات و خدمات کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہفت روزہ 'ہماری زبان' کا خصوصی شمارہ ترتیب دیا جا رہا ہے، جس کے لیے ادیبوں، نقادوں اور پروفیسر حنیف نقوی کے مداحوں سے درخواست ہے کہ وہ اُن کی حیات اور فن کے کسی بھی پہلو پر اپنی تحریریں ۱۵ فروری ۲۰۱۳ء تک ارسال فرما دیں۔ (ادارہ)

انجمن ترقی اردو (ہند) کے مختلف شعبوں اور اشخاص کی ای میل آئی ڈیز

انجمن ترقی اردو (ہند) کے مختلف شعبوں اور متعلقہ اشخاص کی نئی ای میل آئی ڈیز درج ذیل ہیں۔ محبانِ اردو اور خیر خواہانِ انجمن سے درخواست ہے کہ اب وہ انجمن کے مختلف شعبوں کے متعلقہ اشخاص سے اُن کے ای میل پتے پر ہی رابطہ کریں۔ پرانی ای میل آئی ڈی ساقط کر دی گئی ہے۔

- صدر (صدیق الرحمٰن قدوائی): president@anjumantaraqqiurduhind.org
- نائب صدور (سید شریف الحسن نقوی اور خلیق انجم): vicepresident@anjumantaraqqiurduhind.org
- جنرل سکریٹری (اطہر فاروقی): gen.secretary@anjumantaraqqiurduhind.org ather.farouqui@anjumantaraqqiurduhind.org
- ہماری زبان: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
- بک ڈپو: bookdepot@anjumantaraqqiurduhind.org
- مدیر سہ ماہی 'اردو ادب' (اسلم پرویز): aslam.parvez@anjumantaraqqiurduhind.org
- اکاؤنٹ آفیسر (مظہر عباس نقوی): mazahr.naqvi@anjumantaraqqiurduhind.org
- ایڈمنسٹریٹو آفیسر (ثاقب صدیقی): saquib.siddiqui@anjumantaraqqiurduhind.org
- ایڈمنسٹریٹو آفیسر اور لائبریرین (شاہد خاں): shahid.khan@anjumantaraqqiurduhind.org
- انچارج بک ڈپو اور آرکائیوز (انیس احمد): anis.ahmed@anjumantaraqqiurduhind.org
- شریک مدیر 'ہماری زبان' (محمد عارف خان): arif.khan@anjumantaraqqiurduhind.org
- پی اے ٹو جنرل سکریٹری (جاوید رحمانی): jawaid.rahmani@anjumantaraqqiurduhind.org

سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب تقریباً صفر ہو گیا مگر تقسیم کے ناکردہ گناہ کے مجرم قرار دیے جانے کے بعد ہندی مسلمانوں کا عام رویہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنے مذہبی معاملات کو رضاکارانہ طور پر حل کیا، اپنے مذہبی فرائض کو مقدم جانا مگر ایک ہندستانی شہری کے طور پر مساوی حقوق کے حصول کے لیے انھوں نے کبھی کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ اردو کی تباہی کا اصل سبب سیاسی حالات کے تابع مسلمانوں کا یہ منفعل رویہ ہی تھا۔

حالاں کہ آئین ہند کے آرٹیکل (A)350 میں مادری زبان میں تعلیمی سہولیات فراہم کرانے کی گارنٹی دی گئی ہے اور دفعات 30-29 مذہبی اقلیتوں کے (جن میں مسلمان بھی شامل ہیں) مذہبی حقوق اور زبان و ادب سے متعلق میراث کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔ علاقائی سیاست نے ان گروہوں کو خوش کرنے کے لیے جو اپنے سیاسی مفادات کے حصول کے لیے آئین کے ساتھ کھلواڑ کرتے رہتے تھے اردو کے ساتھ غیر منصفانہ رویہ اختیار کیا۔ اردو کے زوال کا اندازہ کرنے کی غرض سے مرکزی حکومت نے ۱۹۷۲ء میں گجرال کمیٹی تشکیل دی جس کا کام اردو اور اردو تعلیم کی صورت حال کا جائزہ لینا اور اس کے لیے فضا ہموار کرنے کی غرض سے سفارشات پیش کرنا تھا۔ حالاں کہ اس کمیٹی نے ۱۹۷۵ء میں 187 سفارشات پرمبنی 250 صفحوں کی ایک رپورٹ پیش کر دی لیکن ۱۹۷۹ء میں ایک دوسری کمیٹی آل احمد سرور کی نگرانی میں بنائی گئی جس کا مقصد گجرال کمیٹی کی سفارشات کے نفاذ کا جائزہ لینا تھا اور اس کے بعد ۱۹۹۰ء میں علی سردار جعفری کی زیر نگرانی ایک اور کمیٹی کی تشکیل ہوئی جس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ گجرال کمیٹی کی سفارشات اگر نافذ بھی ہوئی ہیں تو بھی ان سے اردو کے فروغ میں کوئی مدد نہیں ملی۔ اردو تعلیم کی جو ناگفتہ بہ صورت حال ہے اردو لسانی اقلیتیں اس سے صحیح طور پر واقف ہی نہیں۔ اس سمت کوئی پیش رفت بھی نہیں ہوئی حالاں کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو تعلیم کی صورت حال کا ہر برس جائزہ لیا جائے مگر اس سے پہلے اردو تعلیم سے متعلق اعداد و شمار جمع کر کے ایک مبسوط رپورٹ تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اب تک اس ذیل میں اطہر فاروقی کے مضمون کے سوا کچھ موجود نہیں۔ اس مضمون میں اردو تعلیم کی اترپردیش، بہار، مغربی بنگال، آندھرا پردیش اور مہاراشٹر میں صورت حال کا معروضی جائزہ لیا گیا ہے۔ فاروقی کے مطابق اترپردیش میں ایک بھی اردو میڈیم پرائمری یا جونیر ہائی اسکول موجود نہیں ہے۔ اردو میڈیم کے دو ایسے ہائی اسکولوں کا وجود البتہ ضرور ہے جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے منسلک ہیں مگر جن کا نہ صرف معیار پست ہے بلکہ وہاں اردو کے ساتھ انگریزی میڈیم کا متبادل بھی موجود ہے۔

اترپردیش میں تعلیم کا عمومی میڈیم ہندی ہے اور اردو کو صرف ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے، کچھ ایسے پرائمری اردو میڈیم اسکول ہیں ضرور جو مقامی لوگوں کے ذریعے چلائے جا رہے ہیں اور وہاں جن اساتذہ کا تقرر کیا جاتا ہے وہ اردو میڈیم کے تصور سے واقف ہی نہیں کیوں کہ ان کی اکثریت اردو رسم خط سے ناواقف ہے اسی لیے وہ زیادہ وقت اپنے آبائی پیشوں مثلاً کھیتی باڑی اور مویشی پروری کے کاروبار میں لگے رہتے ہیں اور اتفاقاً ہی کبھی اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ گو کہ آندھرا پردیش میں اردو میڈیم کے ذریعے تعلیم اور اردو کی بحیثیت مضمون پڑھائے جانے کا بندوبست ہے مگر وہاں طلبہ عام طور پر ان نجی اردو میڈیم تعلیمی مراکز میں پڑھنے جاتے ہیں جو مسلمانوں کے رضاکار ادارے چلاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ پرائمری سے ڈگری کالج کی سطح تک کے ادارے ہیں۔ کالج کے معیار کے امتحانات میں طلبہ پرچوں کے جواب اردو میں دے سکتے ہیں خواہ کتابیں انھوں نے انگریزی یا دوسری مقامی زبانوں میں پڑھی ہوں۔

اردو تعلیم کے سلسلے میں اہم نام مغربی بنگال کا ہے جہاں پرائمری تعلیم مادری زبان میں دی جاتی ہے، مگر اس صوبے میں اردو مادری زبان والے طلبہ کے لیے تعلیم حاصل کرنے کے لیے عام حالات بہت حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ وہ واحد ایسی ریاستیں ہیں جہاں اردو کی صورت حال اطمینان بخش ہے۔ مہاراشٹر میں زیادہ تر اردو میڈیم اسکول رضاکار اداروں خصوصاً مذہبی ٹرسٹوں اور مسلم تاجروں کے ذریعے چلائے جا رہے ہیں۔ یہ اردو تعلیم سے متعلق مہاراشٹر میں ایک دلچسپ بات یہ پائی گئی ہے کہ وہاں پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے طلبہ ان کالجوں اور اسکولوں میں اردو بحیثیت مضمون لے سکتے ہیں جہاں اردو کی تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔ مہاراشٹر کی طرح بہار میں بھی اردو کی تعلیم کی حالت اطمینان بخش ہے حالاں کہ نہ اسے سرکاری طور پر کوئی مدد حاصل ہے اور نہ حمایت۔ پوری ریاست میں 23 کالج اور 80 ہائی اسکول ایسے ہیں جہاں اردو پڑھائی جا رہی ہے۔ ریاستی حکومت نے مدرسہ بورڈ کی ڈگریوں کو بھی دوسرے بورڈ کی ڈگریوں کے مساوی تسلیم کر لیا ہے۔ ایک سروے کے مطابق یہ بھی ظاہر ہوا کہ 90 فیصد سے بھی زیادہ اردو میڈیم کے طلبہ پچھڑے اور نچلے درمیانی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ صرف مہاراشٹر میں متوسط طبقے کے مسلمان اپنے بچوں کو اردو میڈیم سے تعلیم دلواتے ہیں۔ اردو میڈیم کے طلبہ میں ڈراپ آؤٹ کا تناسب ہر ریاست میں علاحدہ علاحدہ ہے جو والدین کی آمدنی پر منحصر ہے۔ حیدرآباد میں یہ شرح 40 فیصد سے اوپر ہے۔ اردو میڈیم میں جو نصاب رائج ہے وہ بالعموم NCERT کی کتابوں کے تراجم ہیں یا کہیں کہیں مقامی اداروں اور ریاستی حکومت کا تیار کردہ نصاب رائج ہے۔ نصاب کے تراجم اکثر صورتوں میں غیر معیاری اور مشکل ہیں جنھیں ترجمہ کرتے وقت طلبہ کی ذہنی استطاعت کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اردو میں تیار شدہ نصاب تو ہے ہی غیر معیاری اور اس کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ انگریزی تو کیا علاقائی زبانوں کے طلبہ سے بھی مقابلہ نہیں کر پاتے۔ اردو ذریعۂ تعلیم کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب غیر معیاری نصاب کی موجودگی یا معیاری نصاب کا فقدان ہے۔ مہاراشٹر جہاں اردو میڈیم سب سے زیادہ کامیاب ہے وہاں بھی اردو نصاب پہلے مراٹھی میں ترتیب دیا جاتا ہے پھر اس کا اردو ترجمہ کیا جاتا ہے۔ مناسب سائنسی اور تکنیکی الفاظ کے فقدان کی وجہ سے سائنس اور ریاضی ایسے مضامین عام طور پر یا تو انگریزی میں پڑھائے جاتے ہیں یا پھر دوسری علاقائی مقامی زبانوں میں۔ کچھ ریاستوں میں نجی پبلشنگ اداروں نے اب اردو میں سائنس اور تکنیکی الفاظ کی فرہنگ پاکستانی کتابوں سے مستعار لینی شروع کر دی ہے۔

اردو تعلیم کے مجموعی منظرنامے کا جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ بہار اور مہاراشٹر کے علاوہ دوسری تمام ریاستوں میں اردو کا مستقبل حوصلہ افزا نہیں ہے۔

ملک میں اردو تعلیم کی اس ناقص افسوس ناک حالت کا پتا لگانا کوئی بہت مشکل بات نہیں ہے کیوں کہ اردو واقعتاً ان حالات کا شکار بن گئی جو سماجی تبدیلیوں کے ذمے دار ہوتے ہیں۔ اس قسم کا پہلا حادثہ ۱۹۴۷ء کا بٹوارہ ہے۔ اردو پاکستان کی قومی زبان ہے اور برسوں سے ہند و پاک کے تعلقات اتنے کشیدہ ہیں کہ پاکستان کی قومی زبان کا مستقبل ہندستان میں روشن نظر آنا مشکل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تقسیم کے وقت بہت بڑی تعداد میں اردو داں آبادی جس میں دانش ور اور ماہرین بھی شامل تھے، پاکستان ہجرت کر گئی، جس کی وجہ سے اردو کی طاقت ہندستان میں سست کر رہ گئی۔ اردو کے سلسلے میں جو ریاست سب سے زیادہ قابل رحم حالت کی شکار ہے وہ اترپردیش ہے جہاں اردو کی تعلیم کے سلسلے میں بے حد غلط رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ سب سے زیادہ عبرت ناک بات یہ ہے کہ اتنے سارے لوگوں کی زبان کو نظام تعلیم سے مکمل طور پر خارج کرنے کی سازش کی جا رہی ہے اور یہ کام ایک جدید ہندستانی زبان اردو کو فنا کر کے اس کی جگہ سنسکرت کی نشوونما کے نام پر ہو رہا ہے جو بدھ اور حضرت عیسیٰ کے کل کے زمانے میں درباری زبان تھی اور اب وہ صرف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں برائے نام پڑھائی جاتی ہے۔ اس زبان کو شمالی ہند میں ریاستی سرکار کے سہ لسانی فارمولے کے تحت جدید ہندستانی زبان تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو تعلیم کے فروغ سے متعلق ریاستی اور مرکزی سطح پر ادارے موجود تو ہیں لیکن ایسے اداروں کی اکثریت یا تو خود ہی ناکارہ ہے یا پھر حکومت نے انھیں بدانتظامی کے جال میں پھنسا دیا ہے۔ ایک اور اہم بات جو ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اردو بولنے والا اعلا اور درمیانی

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

ترقی پسند تحریک کے تمل ناڈو پر اثرات

(پہلی قسط)

علیم صبا نویدی

266، ٹریلی کین ہائی روڈ، سکنڈ فلور، فلیٹ نمبر 16، رائس منڈی اسٹریٹ، چینئی 600005

۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کی پہلی کانفرنس منشی پریم چند کی صدارت میں لکھنؤ میں منعقد ہوئی اور اس کانفرنس میں سید سجاد ظہیر، احمد علی اور ڈاکٹر رشید جہاں نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ یہ تینوں فن کار دراصل کارل مارکس کے فلسفۂ اشتراکیت سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ ان احباب نے مارکسزم کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ چناں چہ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کی بنیاد پڑی۔ اس تحریک نے ماورائی تصورات سے ہٹ کر سماجی حقائق کے اظہار کو اپنا اولین فریضہ جانا۔ ترقی پسند تحریک 'ادب برائے ادب' کی قائل نہیں تھی۔ اس تحریک نے اردو ادب کو ادب برائے زندگی کا تصور دیا۔ اس تحریک میں کچھ ایسی کشش تھی کہ اس دور کے بڑے بڑے مشاہیر فن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ ادب سماجی مسائل کا ترجمان بنے اور بدلتے ہوئے عصری رجحانات کا ساتھ دے سکے۔ 'انگارے' نے کافی تہلکہ برپا کیا، پھر اس کے بعد سجاد ظہیر نے 'لندن کی ایک رات' اور 'روشنائی' جیسی تصانیف سے اردو ادب کی تاریخ میں اپنا ایک منفرد مقام محفوظ کرلیا۔ اس تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس تحریک نے اردو ادب کو ایک نیا ذہن دیا۔ اسی دور کی بات ہے کہ ن۔ م۔ راشد، سعادت حسن منٹو اور میراجی جیسے ارباب فن نے لاہور میں 'حلقۂ ارباب ذوق' کی بنیاد ڈالی۔ ترقی پسند تحریک نے جب کل ہند سطح پر اپنا کام شروع کیا تو تمل ناڈو کے فن کار بھی اس سے غافل نہیں رہے۔ کاوش بدری جو اردو کے معروف شاعر، ادیب، صحافی اور تمل ناڈو کے اردو ادب کی تاریخ میں اہم مقام رکھتے ہیں، تمل ناڈو کی سنگلاخ زمین سے 'فن کار' اور 'محور' جیسے ماہنامے نکالے۔ اس دور کے بہترین جرائد کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر احتشام حسین نے ان رسائل کا خاص طور پر نام لیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترقی پسند تحریک کے رجحانات کو اپنانے کا سہرا دانش فرازی، کاوش بدری، راز امتیاز، عزیز تمنائی، مختار بدری اور فرحت کیفی کے سر ہے۔ متذکرہ بالا شعرا نے نئے رنگ و آہنگ اور حوصلہ مندی کے ساتھ ترقی پسند تحریک کے رجحانات کو فروغ دیا۔ مجلس مصنفین کے تعلق سے دانش فرازی نے بحیثیت صدر مجلس وہ نقش افروز رول ادا کیا ہے تمل ناڈو کی ادبی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ ان کی تخلیقات 'نگار'، 'ادبی دنیا'، 'ادب لطیف'، 'آجکل' اور 'نیا دور' جیسے ادبی رسائل میں شائع ہوتی رہیں۔ اس وقت جدید ادب کے ان علم برداروں کا دور دور تک پتہ نہیں تھا، جنھوں نے آگے چل کر اپنی صلاحیت، ادبی اور علمی استعداد اور فنی دسترس سے اپنا ایک الگ مقام پیدا کرنے کی کوشش کی۔ دانش فرازی کے بعد جو نئی نسل ابھری اس میں کچھ ایسے صحت مند عناصر موجود تھے جنھوں نے رجعت پسندی کے طلسم کو توڑا اور شعر و ادب کو جدیدیت کے تقاضوں سے لیس کیا۔

دانش فرازی اور کاوش بدری جیسی شخصیتوں نے یہ محسوس کیا کہ اردو کے شعر و فن کا سرمایہ اندھا دھند تقلید کا متحمل نہیں ہے بلکہ عصری رجحانات اور نئے تقاضوں کے پیش نظر اپنا روپ بدلنے والا ہے۔ چناں چہ انھوں نے روایت اور رجعت کے خلاف اپنا محاذ قائم کیا اور بقول مجروح:

لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

تمل ناڈو کے فن کاروں نے نہ صرف اس کی تقلید شروع کی بلکہ ان کے رنگ و آہنگ کو اپنانے میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

رحیم احمد فاروقی آزاد

(ولادت: ۱۹۱۲ء، وفات: ۱۹۹۶ء)

میں سمجھتا ہوں کہ کاوش بدری سے بھی بہت پہلے پروفیسر رحیم احمد فاروقی آزاد کی شاعری میں ترقی پسند تحریک کے رجحانات اور نظریات کی نمایاں مثالیں موجود تھیں لیکن موصوف نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا۔ فاروقی کی مرزا غالب کی غزلوں پر لکھی ہوئی تضمینیں ان کے ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ فاروقی صاحب کے اسلوب و اظہار کو ان کی تضمینات کی روشنی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ نظیر اکبرآبادی کو ہم جب یاد کرتے ہیں تو ان کی نظمیں ہی یاد آجاتی ہیں۔ جب رباعیات کا ذکر آتا ہے تو امجد حیدرآبادی یاد آجاتے ہیں۔ ہجو کا تصور آتے ہی مرزا سودا کا نام لیا جاتا ہے۔ اسی طرح تضمینات کی بات آتی ہے تو رحیم احمد فاروقی آزاد پر جاکر ہماری نظریں ٹھہر جاتی ہیں۔ فاروقی سے پہلے غالب کی غزلوں پر تضمینیں لکھنے والوں میں مرزا عزیز بیگ مرزا سہارنپوری شاگرد حضرت سوزاں سہارنپوری کا نام لیا جاتا ہے جنھوں نے 'روح کلام غالب' المعروف بہ 'تفسیر کلام غالب' کے نام سے ایک مجموعہ ادب کو دیا تھا۔ تضمین نویسوں میں ایک اور اہم نام مجروح سلطانپوری کا بھی ہے۔ مجروح کی تمام تضمینیں روایاتی اسلوب کی مار میں چکر لگاتی ہیں مگر غالب کے ہاں جو ہمہ گیر مضامین ہیں وہ فکر کو زیادہ وسعت دیتی ہیں۔ رحیم احمد فاروقی نے بھی فکر غالب تک رسائی حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ غالب کا فکری عروج جو اپنی جگہ مسلم ہے اُسے فاروقی صاحب نے کہیں بھی مجروح ہونے نہیں دیا۔

موصوف کے تضمینات کا مجموعہ بھی منظر عام پر آچکا ہے، ہمارے ناقدین ادب بہ آسانی فیصلہ کرسکتے ہیں کہ رحیم احمد فاروقی نے تضمینات میں فکر غالب اور اسلوب غالب کے ساتھ ساتھ ترقی پسند رجحانات کو اپنانے میں کہاں تک کامیابی حاصل کی ہے۔

عبدالقادر دانش فرازی

(ولادت: ۱۹۲۱ء [آمبور]، وفات: ۱۹۸۱ء)

دانش فرازی نے تمل ناڈو میں ترقی پسند رجحانات اور جدید حسیت کے چراغ روشن کرنے میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔ دانش فرازی نے جب اپنی نظموں میں نئی جہتوں، نئے پہلوؤں اور عصری آگہی کے تقاضوں کو اجاگر کرنے کا سلسلہ شروع کیا تو یہاں کی نئی نسل اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔ ابتدا میں اہل ادب نے دانش فرازی کو ایک سنجیدہ اور فکری شاعر سمجھ کر ان کا دلی خیر مقدم کیا۔ ۱۹۵۶ء میں خلیل الرحمن اعظمی نے ان کی طویل نظمیں پڑھنے کے بعد کاوش بدری (مدیر 'فن کار') کو خط لکھا کہ:

"اقبال کے بعد دانش فرازی کے پیکر میں ایک منفرد شاعر ہماری زبان میں ابھر رہا ہے"۔

نیاز فتح پوری (مدیر 'نگار') لاہور نے دانش فرازی کی نظموں کے مطالعے کے بعد یہ تاثر پیش کیے ہیں:

"دانش کی آزاد نظموں میں گہرا سماجی شعور اور انسانی ہمدردی کا ہمہ گیر جذبہ نمایاں ہے، انھوں نے اپنے تجربات اور احساسات کو علامتی طرز اظہار بخشا ہے۔ بیشتر نظمیں آفاقی رنگ میں ڈھلی ہوئی ہیں"۔

آپ کی نظموں کے تعلق سے نیاز حیدر نے یوں لکھا ہے:

"دانش فرازی کی نظموں میں فن کار کی شخصیت اور اس کے داخلی عناصر کے درمیان پیدا ہونے والے انسٹ رشتوں کا ادراک ملتا ہے"۔

دانش فرازی کی تمام تر تخلیقات میں زندگی کی گہرائی، مشاہدے کی لطافت اور کائناتی مناظر کے وہ نقوش ملتے ہیں جو ایک بڑے اور عظیم فن کار کا خاصہ ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس عظیم المرتبت شخصیت اور کثیر الجہات فکری بصیرت اور نئی آگہی کی دشاؤں اور نت نئی جہتوں کا ادراک رکھنے والی معتبر ہستی کا عرفان خود شمالی آرکاٹ کے سرمایہ دار طبقے کو نہیں تھا، جس کا اظہار موصوف نے اپنی تحریروں میں مبہم انداز میں کیا تھا۔ آخر میں موصوف کا ایک قطعہ جس کو بیجد مقبولیت ہندوستان گیر شہرت حاصل ہے:

اب حسل کو سجانے کفن لے کے آؤ
کافور نہیں، خاک کفن لے کے آؤ
اک بندے کے بیٹھنے میں دم توڑا ہے
انگور کے پتوں کا کفن لے کے آؤ

نمونتاً دانش فرازی کی دو مختصر ترین نظمیں بھی پیش ہیں:

(۱)

بھرے بازار سے گزرو تو دیکھو
دکانوں میں کتنی بوجھل، زخم خوردہ آرزوؤں
——— سے سجی ہیں
وہ پہلے ان گنت خوابوں کا پیچ بستہ لہو
کس کس جگہ کب سے بہا ہے؟
کہاں بکتے ہوئے بے حس ضمیروں کی
مہنگی، جگمگاتی منڈیاں ہیں

(۲)

بھرے بازار سے گزرو تو دیکھو
چھپے دوڑتے چہروں کے پیچھے
کہاں تک ساتھ دیتے ہیں اُجالے
کہاں پر روشنی دم توڑتی ہے
کہاں کھلتا ہے شب کا وہ دریچہ
کہ جس سے جھانک لیتا ہے اندھیرا!

شعری مجموعے: (۱) 'رگ سنگ' ۱۹۵۹ء، (۲) 'آیات فطرت' (سورۂ فاتحہ کا اردو ترجمہ) ۱۹۳۳ء، (۳) 'نالۂ زنجیر' ۱۹۶۷ء، (۴) 'حسن اعظم' ۱۹۷۳ء، (۵) 'خدنگ جستہ' ۱۹۸۱ء۔

کاوش بدری

(ولادت: ۱۹۲۷ء [آمبور شمالی آرکاٹ] وفات: ۲۰۰۸ء)

۱۹۴۷ء کے آس پاس مدراس میں بھی ترقی پسند تحریک کا چرچا ہوا اور اس تحریک سے براہ راست وابستہ ہونے والے احباب میں کاوش بدری، دانش فرازی اور نورس خیالی کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ چوں کہ کاوش بدری اور دانش فرازی میں رشتہ داری تھی اس لیے کاوش بدری کی کاوشوں میں لامحالہ دانش فرازی بھی شریک ہوجاتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب کہ مدراس میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ شخصیتوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا، جس کا ذکر ڈاکٹر جاوید حبیب نے اپنے مضمون 'تمل ناڈو میں ترقی پسند تحریک' میں کیا ہے۔ (مطبوعہ 'ہماری زبان' ۲۰۱۰ء)

(باقی آئندہ)

اردو دُنیا

عدالتِ عالیہ میں مترجمین کے عہدے منظور کیے جانے کا خیر مقدم

دس عہدوں پر ہندی اور اردو کے پانچ - پانچ مترجمین کی تقرری کا مطالبہ

الٰہ آباد، یوپی (یکم جنوری)۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن نے حکومت اترپردیش کے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے جس کے تحت محکمۂ انصاف کے پرنسپل سکریٹری نے ہائی کورٹ کے رجسٹرار جنرل کو ہدایت دی ہے کہ عدالتِ عالیہ میں تین ماہ کے اندر یعنی ۲۸ فروری ۲۰۱۳ء تک دس مترجمین کی تقرری کریں کیوں کہ ریاست کے گورنر نے اس کے لیے منظوری دے دی ہے۔ ریاستی حکومت کے محکمۂ انصاف کے پرنسپل سکریٹری ایس کے پانڈے کے حکم نامہ ۲۲ نومبر ۲۰۱۲ء کی فوٹو کاپی مہیا کراتے ہوئے اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے بانی اور کنوینر بحرالعلوم نے اپنے جاری بیان میں کہا کہ اس حکم نامے کے نفاذ میں مترجمین کے عہدے پر تقرری کے لیے دونوں سرکاری/علاقائی زبانوں ہندی اور اردو کا علم بی اے کی سطح تک لازمی ہونا چاہیے یا دس اسامیوں یعنی دس عہدوں میں پانچ ہندی مترجم اور پانچ اردو مترجم کا اشتہار نکالا جانا چاہیے۔ دو سال قبل ہائی کورٹ میں دو اردو مترجمین کی تقرری کی گئی تھی، مگر حکومت اترپردیش نے آج تک 'ہندی اردو ٹرانسلیٹر سروس رولس' نہیں بنایا ہے۔ بحرالعلوم نے کہا کہ مذکورہ دس عہدوں پر تقرری کرنے سے پہلے 'ہندی - اردو ٹرانسلیٹر سروس رولس' ۲۰۱۳ء کا بنایا جانا لازمی ہے جس کے لیے بہت جلد ریاستی حکومت اور عدالتِ عالیہ کے رجسٹرار جنرل کو ایک درخواست ارسال کی جائے گی۔

(آگ۔ لکھنؤ)

مڈل اسکولوں میں اردو ٹیچروں کی بحالی کا معاملہ

پٹنہ، بہار (۲۵ دسمبر)۔ جناب محمد شریف سابق چیئرمین ریاستی بیس نکاتی پروگرام کمیٹی بہار نے ایک بیان میں کہا ہے کہ اردو اساتذہ کی بحالی کے سلسلے میں بہار قانون ساز کونسل کے ڈپٹی چیئرمین جناب سلیم پرویز اور وزیر محکمہ تعلیم اور مسلم دانشوروں کے ساتھ ہوئی میٹنگ میں انٹر میڈیٹ میں 50 نمبر اردو کا جو فیصلہ ہوا تھا اس کا ابھی تک نوٹیفکیشن نہیں ہو سکا ہے اور نہ ہی اردو اساتذہ کی خصوصی بحالی کے لیے اشتہار شائع کیا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہماری مانگ ہے کہ مڈل اسکول میں اردو اساتذہ کی بحالی میں گریجویٹ کی شرط کو برقرار رکھتے ہوئے انٹرمیڈیٹ میں پچاس نمبر کی شرط کو ہی لازم رکھا جائے تاکہ گریجویٹ اساتذہ اپنے اردو کتب اور اسکولوں میں پڑھانے کے اہل ہو سکیں جہاں بھی سبجیکٹ پڑھانے والے اساتذہ نہیں ملیں گے۔ انھوں نے مزید کہا کہ تربیت یافتہ اساتذہ کی عمر میں دس سال چھوٹ دی گئی ہے۔ اردو اساتذہ کی بحالی میں 200 نمبر اور 100 نمبر کی وجہ سے بہت سے اردو داں نوجوان درخواست نہیں دے سکے تھے، اس لیے ان کو بھی عمر میں کم سے کم پانچ سال کی چھوٹ دی جائے تاکہ آگے وہ TET اور بحالی کے اہل ہو سکیں۔

(آزاد ہند۔ کلکتہ)

اردو اساتذہ کی تمام اسامیوں پر تقررات کا مطالبہ

دیورکنڈہ، آندھرا پردیش (۳۰ دسمبر)۔ جناب محمد عبدالسمیع صدر، جناب عبدالسلام نائب صدر، جناب سید حسین سکریٹری، جناب محمد رضی اللہ حسینی اور جناب محمد قدرت اللہ آرگنائزنگ سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ دیورکنڈہ، ڈویژن نے اپنے ایک مشترکہ صحافتی بیان میں ریاستی حکومت سے مطالبہ کیا کہ روسٹر سسٹم کو فی الفور برخاست کرتے ہوئے اردو میڈیم اساتذہ کی تمام اسامیوں پر تقررات عمل میں لائے جائیں اور اردو مدارس کے ساتھ کی جانے والی مسلسل ناانصافی کا ازالہ کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت ڈی ایس سی اعلامیہ میں اردو میڈیم اساتذہ کی کئی اسامیاں خالی بتا رہی ہے، لیکن جب اساتذہ کے تقررات کا موقع آتا ہے تو کونسلنگ کے دوران ایس سی، ایس ٹی اور بی سی زمرے کے تحت محفوظ ان خالی اسامیوں کو عام زمرے میں تبدیل کرنے کے بجائے ان اسامیوں پر تقررات کے عمل کو روک دیا جاتا ہے۔ حکومت کا یہ اقدام اقلیتوں کے ساتھ دھوکہ دہی کے مترادف ہے۔ انھوں نے کہا کہ روسٹر سسٹم کو برخاست نہ کیے جانے کی وجہ سے اردو میڈیم مدارس کا شدید نقصان ہو رہا ہے۔ انھوں نے روسٹر سسٹم کو برخاست کرتے ہوئے اردو میڈیم کی تمام خالی اسامیوں کو پر کرنے کا مطالبہ کیا۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

اردو مترجمین کے خالی عہدوں پر تقرری کا عمل شروع

مظفرنگر، یوپی (۳ جنوری)۔ اردو حلقوں میں یہ خبر خوش آئند ہے کہ صوبے میں اردو مترجمین کے خالی پڑے عہدوں پر تقرریوں کا عمل شروع ہو گیا ہے جس میں پہلے مرحلے میں سرکار کے خصوصی سکریٹری انج ایل گپتا نے سبھی کمشنروں سے تمام اضلاع کے محکموں میں اردو مترجمین جونیئر کلرک کے خالی پڑے عہدوں کی فہرست طلب کر کے سرکار کو بھیج دی ہے۔ غور طلب ہے کہ موجودہ ملائم سنگھ سرکار نے ۹۵-۱۹۹۴ء میں اردو مترجمین کی تقرری کی تھی اسی وقت سے کچھ خالی اسامیاں چلی آرہی تھیں۔ ۲۰۰۶ء میں اس وقت کے وزیر اعلا ملائم سنگھ یادو نے خصوصی عہدوں پر تقرریاں کرنے کے احکامات صادر کیے تھے، مگر سرکار کے چلے جانے کی وجہ سے یہ تقرریاں ہونے سے رہ گئی تھیں، اب اکھلیش سرکار نے اس منصوبے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے متعلقہ محکموں کو یہ کام پورا کرنے کے احکامات دیے ہیں۔ وہیں الہ آباد ہائی کورٹ میں مترجمین کے دس عہدوں کی تقرری ہونے کا سرکاری اعلان جاری ہونے کے بعد اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن نے دس عہدوں میں سے پانچ عہدے اردو مترجمین کے لیے مختص کیے جانے کا مطالبہ کیا ہے، کیوں کہ سرکاری احکام میں یہ واضح نہیں ہے کہ کس زبان کے مترجمین کی تقرری کی جائے گی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

NEET 2013 میں اردو کے ساتھ ناانصافی

ممبئی۔ مرکزی حکومت کی جانب سے امسال میڈیکل کے طلبہ کے لیے مزید مواقع فراہم کرنے کی غرض سے نیز پورے ملک میں انھیں داخلے کے مواقع فراہم کرانے کی غرض سے قومی سطح پر یک وقت ایک ہی داخلہ امتحان لینے کا فیصلہ کیا ہے جسے National Elegibility Cum Entrance کا نام دیا گیا ہے۔ مذکورہ داخلہ امتحان ۵ مئی ۲۰۱۳ء بروز اتوار مختلف سینٹرز پر منعقد ہوگا۔ اس امتحان کی امتیازی خصوصیات یہ ہیں کہ امتحان ایک ہی نشست میں ہوگا اور تمام سوالات معروضی طرز (Objective Type) کے ہوں گے۔ مزید برآں مختلف ریاستوں کے طلبہ کو ان کی ریاستی زبان میں سوالات کے پرچے فراہم کیے جائیں گے جن میں انگریزی، ہندی، گجراتی، تامل، تیلگو، بنگالی، آسامی اور مراٹھی زبان شامل ہیں، لیکن حکومت نے ہندوستان کی ایک بڑی زبان اردو کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا، حالاں کہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ دیگر زبانیں جن میں حکومت کی جانب سے داخلہ امتحان کا سوالیہ پرچہ ترتیب دیا جا رہا ہے ان سے تعداد میں کئی گنا زیادہ اردو کے سائنس کالجس ملک بھر میں موجود ہیں، اس کے باوجود اردو جیسی زبان کو میڈیکل کے داخلہ امتحان میں نظر انداز کرنا ناقابلِ فہم امر ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پورے مہاراشٹر میں مراٹھی میڈیم کا ایک بھی سائنس جونیئر کالج نہیں ہے اور نہ NEET میں طلبہ و سرپرستوں کی جانب سے ایسا کوئی مطالبہ ہوا ہے اس کے باوجود NEET کا سوالیہ پرچہ مراٹھی میں فراہم کیا جائے گا۔ جب کہ مہاراشٹر میں اردو میڈیم کے 168 سائنس جونیئر کالجس ہیں اور ہر سال XII بورڈ سائنس مضامین کے ساتھ 6000 طلبہ امتحان دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو پورے ملک میں بولی جاتی ہے نیز دیگر ریاستوں میں بھی اردو کے سائنس جونیئر کالج موجود ہیں جیسے آندھرا پردیش میں (50 کالجوں میں 1000 طلبہ ہیں) اسی طرح کرناٹک، جموں و کشمیر، بہار اور مغربی بنگال میں بھی اردو جونیئر کالج ہیں۔ جس اردو زبان کے ملک میں کالج ہیں ساتھ ہی NEET کے خواہش مند طلبہ بھی ہیں۔ ان طلبہ کے تعلق سے حکومت کی مجرمانہ لاپرواہی ناقابلِ نظر انداز ہے۔ جب تعلیمی سال ۱۲-۲۰۱۱ء تک ریاستی سطح پر منعقد کیے جانے والے انٹرنس امتحانات جیسے مہاراشٹر میں MH.CHT آندھرا میں EAM-CET کے سوالیہ پرچے اردو میں فراہم کیے جاتے رہے ہیں۔ آخر یہ بڑے مرکزی امتحان میں کیوں شامل نہیں کی گئی؟ NEET 2013 کے فارم بھرنے کا سلسلہ دسمبر سے جاری ہو چکا ہے اور آخری تاریخ ۳۱ دسمبر ۲۰۱۲ء ہے، اسی طرح لیٹ فیس ایک ہزار روپے کے ساتھ ۳۱ جنوری ۲۰۱۳ء تک مقرر ہے۔ اگر حکومت فی الفور اردو میں NEET کا سوالیہ پرچہ فراہم کرنے کی سہولت نہیں دے گی تو اردو میڈیم کے ہزاروں طلبہ کا ناقابلِ تلافی نقصان ہوگا۔ اس تعلق سے پروفیسر نجم الدین نے مسلم ممبرانِ پارلیمنٹ سے آواز اٹھانے کی اپیل کی ہے۔

(ہفت روزہ سیرت۔ ممبئی)

اردو تعلیم کے لیے درکار سہولتوں کی فراہمی کی یقین دہانی

حیدرآباد، آندھرا پردیش (۱۸ دسمبر)۔ وزیر ثانوی تعلیم جناب پارتھا سارتھی نے نامپلی ایجوکیشن کمپلیکس میں مولانا ابوالکلام آزاد میموریل گورنمنٹ اردو جونیئر کالج کی نو تعمیر شدہ عمارت کا آج افتتاح کرتے ہوئے اپنے خطاب میں کہا کہ حکومت اردو تعلیم کے لیے درکار سہولتوں کی فراہمی کو یقینی بنائے گی۔ اس ماہ کے اواخر میں ریاست میں عالمی تلگو کانفرنس کے انعقاد پر انھوں نے جونیئر کالج کی تقریب میں موجود اردو تعلیمی کمیٹی کے صدر محمد جلیل پاشا کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ اردو کانفرنس کا بھی اہتمام کیا جائے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ حکومت آندھرا پردیش عالمی اردو کانفرنس کی میزبانی کے لیے تیار ہے۔ اس خصوص میں وہ چیف منسٹر سے اردو والوں کی نمائندگی کریں گے۔ انھوں نے نامپلی ایجوکیشن کمپلیکس کو خواتین کی یونیورسٹی میں تبدیل کرنے کے مطالبے پر کہا کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی جانب سے منظوری ملنے پر اس سلسلے میں پیش رفت کی جائے گی۔ (اعتماد۔ حیدرآباد)

گرامی نامے

ادارے کا مراسلہ نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

پروفیسر شمیم حنفی کا مہمان اداریہ

مکرمی! ہفت روزہ 'ہماری زبان' کے یکم تا ۷ جنوری ۲۰۱۳ء کے شمارہ نمبر ۱ میں صفحہ اول پر اردو دنیا کے ممتاز دانشور پروفیسر شمیم حنفی کا مہمان اداریہ چونکا دینے والا ہے۔ انھوں نے درست لکھا ہے کہ صبح کا اخبار آتا ہے تو ایک ساتھ بہت سے دکھوں اور اندیشوں کی سوغات لاتا ہے۔ اب جب کہ ایک مظلوم لڑکی کی آبرو ریزی کا سنگین واقعہ موت کے عظیم سانحے میں تبدیل ہو چکا ہے تو اس اداریے کی معنوی اہمیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

جب جب ہمارا وطن عزیز ابتلا و آزمائش کے دور سے گزرا ہے اردو مصنفوں نے سب سے پہلے صدائے حق بلند کر کے اہل قلم کو ان کے فرائض کا احساس دلایا ہے۔ 70 برس قبل جب قحط بنگال کے باعث لاکھوں لوگ لقمۂ اجل بن گئے تھے تو کرشن چندر نے 'ان داتا' لکھ کر اور خواجہ احمد عباس نے 'دھرتی کے لال' فلم کر کے ملک کے ارباب اقتدار کو صورت حالات کی نزاکت کا احساس دلایا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جب بٹوارے کے باعث دیش بھر میں فرقہ پرستی کا رقص ابلیس جاری تھا تب رامانند ساگر نے 'اور انسان مر گیا'، کرشن چندر نے 'ہم وحشی ہیں' اور عادل رشید نے 'ورندے' تصنیف کر کے آتش نمرود کو سرد کرنے کی سعی کی تھی جب کہ دیگر زبانوں کے اہل قلم خواب غفلت میں مبتلا تھے۔

آج حوا کی امت اور زلیخا کی بیٹی کی آبرو خطرے میں ہے تو اردو صحافت کی اولین صدائے احتجاج شمیم حنفی صاحب کے قلم گہربار سے بلند ہوئی ہے۔ انھوں نے قلم کاروں سے بجا طور پر مطالبہ کیا ہے کہ وہ اصلاح معاشرہ کے لیے اور انسانیت سوزی کے بڑھتے ہوئے رجحان کا قلع قمع کرنے کی غرض سے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔

عالم اردو کی عظیم ہستیاں انجمن ترقی اردو (ہند) کے ساتھ وابستہ ہیں۔ آپ ان سے مہمان اداریہ لکھوانے کا سلسلہ جاری رکھیں تاکہ وہ سماج کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جانب اہل قلم کی توجہ مبذول کرتے رہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے ادیب اور صحافی دختران وطن کی عصمت و عفت کو جہاں آرا کے پاکیزہ آنچل سے ڈھانپنے میں کامیاب ہوں گے۔ انسانیت کی سربلندی اردو کے خمیر میں شامل ہے اور حق تعالیٰ اس کارِ ثواب میں ضرور اردو مصنفین کا حامی و ناصر ہوگا۔

(وشوا ناتھ طاؤس۔ نوئیڈا، یوپی)

مرکزی حکومت پر صدر جمہوریہ کے حکم کو نافذ نہ کرنے کا الزام

اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے ذریعے اردو و علاقائی زبانوں کو فروغ دینے کا مطالبہ

الہ آباد، یوپی (یکم جنوری)۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن نے مرکزی حکومت کے ڈپارٹمنٹ آف پرسنل اینڈ ٹریننگ پر الزام عائد کیا ہے کہ اس کی وزارت نے صدر جمہوریہ ۱۹۶۰ء کے حکم و ہدایت نمبر 7 بی کا نفاذ نہ کر کے اردو کے ساتھ ساتھ ہندستان کی تمام منظور شدہ علاقائی زبانوں کو نقصان پہنچایا ہے۔

مذکورہ الزام کے ثبوت میں آرگنائزیشن نے مورخہ ۲۲ نومبر ۲۰۱۲ء کا لکھا ہوا مرکزی حکومت کا ایک خط اردو میڈیا کو مہیا کرایا ہے جو منسٹری آف پرسنل، پبلک گریوانسیز اینڈ پنشن کی انطیف انصاری و ڈائرکٹر اسٹیبلشمنٹ محترمہ ممتا کول نے تنظیم کے اعزازی جنرل سکریٹری ڈاکٹر پرواز العلوم کو مرکزی اطلاعات کمشنر کے ایک فیصلے کے نفاذ میں لکھا ہے اور مرکزی حکومت کے محکموں میں گروپ 'سی' اور گروپ 'ڈی' کے تحت آنے والے تمام عہدوں پر تقرری کے لیے قوانین و ضوابط کی فوٹو کاپیاں اطلاعات کے طور پر فراہم کرائی ہیں، جس کا مطالعہ کرنے کے بعد اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے صدر محمد اختر چوڑی والا نے اپنے جاری بیان میں کہا کہ مذکورہ محکمہ سے آر ٹی آئی کے تحت سوال کیا گیا تھا کہ صدر جمہوریہ حکم ۱۹۶۰ء کی ہدایت نمبر 7 کے نفاذ میں مرکزی حکومت نے اپنے محکموں میں گروپ سی کے عہدے پر تقرری کرنے کے لیے جو قوانین و ضوابط بنائے ہیں اس کے لیے علاقائی زبانوں کا علم لازمی کیا گیا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ صدر جمہوریہ ہند نے حکم نمبر 7 بی میں واضح ہدایت دی ہے کہ مرکزی حکومت کے محکموں میں ملازمین کی تقرری علاقائی زبان کی بنیاد پر کی جائے اور تقرری کے طریقوں اور تعلیمی لیاقتوں میں اگر ترمیم کی گئی ہے تو مرکزی حکومت نے آج تک جو بھی قوانین بنائے ہیں اور ترمیم کی ہے اس کی بھی اطلاعات فراہم کی جائے۔ چوڑی والا نے کہا کہ مذکورہ سوالات کے جواب میں مرکزی حکومت نے ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۰ء میں جو 'ماڈل ریکروٹمنٹ رولس' تیار کیا ہے اس کے مطابق تمام محکموں کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق اپنا ریکروٹمنٹ رول ترمیم کر کے ڈپارٹمنٹ آف پرسنل اینڈ ٹریننگ سے منظور کرا لیں۔ اس کے لیے مختلف گائڈ لائن مقرر کی گئی ہیں، مگر 'علاقائی زبانوں' کی تعلیم کو لازمی نہیں کیا گیا بلکہ صرف انگریزی اور ہندی ٹائپنگ جاننے کی شرط لازمی کی گئی ہے۔

(آئی۔ لکھنؤ)

سوگڑہ (اڑیسہ) میں کل ہند شعری نشست

سوگڑہ (اڑیسہ) پریس ریلیز۔ ہائیٹا اور گلشن ادب کے زیر اہتمام ۱۰ دسمبر ۲۰۱۲ء کو سوگڑہ (اڑیسہ) کی معروف بستی دریاپور میں ایک کل ہند شعری نشست منعقد کی گئی۔ مشاعرے کے کنوینر جناب سید نورالہی ناطق کے تعارفی خطاب کے بعد اردو کے معروف شاعر جناب سید شکیل دسنوی کی نئی کتاب 'ساتھ بھی چودہ لیس' کا اجرا پروفیسر کرامت علی کرامت نے کیا۔ بعد ازاں جناب خاور نقیب نے سوگڑہ کی ادبی تہذیب اور اس کی ثقافتی قدروں پر جامع انداز میں روشنی ڈالی۔ اس کے بعد سید شکیل دسنوی کے زیر صدارت شعری نشست کا آغاز ہوا۔ کلکتہ سے تشریف لائے ہوئے شاعر جناب ضمیر یوسف نے نظامت کی۔ شعر و ادب کی اس نشست میں کرامت علی کرامت، سید شکیل دسنوی، ضمیر یوسف، اسلم لکھنوی، نفیس دسنوی، شگفتہ سہرامی، عاجز سوگڑوی، سعید احسن، نورالہی ناطق، خاور نقیب، نظیر راہی، صلاح الدین تمکین، حبیب الرحمٰن ملکش، سمیع اللہ شاکر، احمد فرحان وغیرہ شعرا نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ سوگڑہ کی یہ شعری نشست دو بجے شب کو اختتام پذیر ہوئی۔

اک دیا اور بجھا

نئی دہلی۔ اردو کے معروف صحافی اور خطاط جناب سید شبیہ حسن کا ۲۵ نومبر ۲۰۱۲ء کو طویل علالت کے بعد اسکارٹ اسپتال میں انتقال ہو گیا۔ ان کی تدفین بستی حضرت نظام الدین میں واقع قبرستان پنج پیران میں عمل میں آئی۔ ان کی عمر 73 برس تھی۔ مرحوم کے پس ماندگان میں اہلیہ کے علاوہ تین بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ سید شبیہ حسن ماہنامہ 'انعام' کے اڈیٹر تھے، جس کی اشاعت تیس برس تک جاری رہی۔ وہ ایک عرصے تک آل انڈیا ریڈیو کے اردو جریدے پندرہ روزہ 'آواز' سے بھی وابستہ رہے۔ انھوں نے فن خطاطی کی تربیت مایۂ ناز خطاط محمد یوسف قاسمی مرحوم سے حاصل کی تھی اور اسی کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا۔ انھیں اردو زبان اور تہذیب کی اشاعت اور ترویج سے خاص لگاؤ تھا۔

جناب شبیہ حسن نے متعدد رسائل اور اخبارات کی تزئین اور ترتیب میں حصہ لیا اور آخر وقت تک اردو صحافت کی خدمت کرتے رہے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

انجمن ترقی اردو بہار کے نائب صدر رضی احمد کے انتقال پر تعزیتی نشست

پٹنہ (۱۸ جنوری)۔ انجمن ترقی اردو بہار کے نائب صدر جناب رضی احمد (مظفر پور) کے انتقال پر ملال پر آج انجمن ترقی اردو بہار کے دفتر میں ایک تعزیتی نشست منعقد کی گئی۔ موصوف ایک عرصے سے انجمن ترقی اردو بہار سے منسلک ہو کر اردو زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ ان کے اچانک انتقال پر تمام حاضرین نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ اس موقعے پر اراکین انجمن ترقی اردو بہار نے ان کی مغفرت اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرنے کی دعا کی۔ اس نشست میں جناب عبدالقیوم انصاری، جناب اظہار الحق صدیقی، جناب وزیر احمد، جناب نہال الدین راہی، جناب انعام الحق، جناب شاہد محمود پوری، جناب فیضان مصطفےٰ اور جناب وصی الدین موجود تھے۔

(پریس ریلیز انجمن ترقی اردو بہار)

افسران کی منفی سوچ سے عربی فارسی زبانوں کا مستقبل تاریک

اختیاری مضمون ہونے کے باوجود پڑھائی کا کوئی نظم نہیں

جالے بہار (محمد صابر۔ سرکاری اسکولوں میں عربی و فارسی زبانوں کو جس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے اگر دانشور طبقہ آگے نہیں آیا تو ملک کی قدیم ثقافت کا حصہ رہی یہ زبانیں اپنی شناخت کھو دیں گی۔ ان خیالات کا اظہار جالے ضلع پریشد حلقے کے رکن جناب حبیب اللہ ہاشمی نے کیا۔ انھوں نے دونوں زبانوں کی بقا اور اس کے تحفظ میں حائل متعصب افسران کی سازش کا انکشاف کرتے ہوئے نمائندہ کو بتایا کہ حکومتی سطح پر ان زبانوں کی ترویج و اشاعت کے لیے جا بجا جتنے بھی مثبت قدم اٹھائے جائیں، مگر جب تک اس سلسلے میں افسران کا رویہ مثبت نہیں ہوگا یہ زبانیں اپنی شناخت کھو دیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان زبانوں کو ایک خاص طبقے سے جوڑ کر اسے ختم کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اس ذہنیت کے خلاف حساس اور تعلیم یافتہ طبقے کو آگے آنا ہوگا۔ مولانا حبیب اللہ ہاشمی نے ضلع تعلیم افسر کو بھیجے گئے مکتوب میں واضح کیا ہے کہ حقیقت میں سرکاری اسکولوں کے تعلیمی روٹین سے عربی فارسی کو غائب کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم طلبہ ان زبانوں کی تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ ہاشمی صاحب نے کہا کہ ریاست میں عربی و فارسی زبانیں جس بدحالی کا شکار ہیں اس نے لسانی اقلیتوں کی فکرمندی بڑھا دی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جہاں ایک طرف وزیر اعلیٰ نتیش کمار اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لیے سنجیدگی کے ساتھ ریاست میں منصوبے کا نفاذ کر رہے ہیں وہیں اس کے برعکس محکمہ تعلیم کے متعصب افسران ایک خاص ذہنیت کے ساتھ وزیر اعلیٰ کے ارادوں پر پانی پھیر کر نہ صرف اقلیتوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں بلکہ حکومت کو بدنام کرنے میں بھی ایسے افسران کا اہم رول ہے۔ ضلع پارشد حبیب اللہ ہاشمی نے میٹرک میں اختیاری مضمون کے طور پر عربی و فارسی کے شامل ہونے کے باوجود اس کی تدریس کا ہائی اسکولوں میں کوئی نظم نہ رہنے کا معاملہ اٹھایا تھا جس کے بعد ریجنل ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن نے ہائی اسکولوں کے پرنسپل کو خط لکھ کر عربی فارسی کی پڑھائی یقینی بنانے کی ہدایت دی تھی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے
دو کتابوں کا
آنا ضروری ہے

نام کتاب : نارسیدہ
مصنف : مشتاق اعظمی
ضخامت : ۱۲۸ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
اشاعت : ۲۰۱۲ء
ناشر : اپنی پبلی کیشنز، 170 کیشب چندرسین اسٹریٹ، کولکاتا-۹
تبصرہ نگار : سعید اختر اعظمی

تجربات ومشاہدات بلاشبہ افسانے کا جزو لازم ہیں مگر جب تک فکشن نگار اپنی داخلی بے قراری قاری کے احساس تک منتقل نہ کرے افسانہ اور افسانہ نگار دونوں ناکام ہیں۔ واقعات براہ راست آگے بڑھیں یا انھیں پیچ وخم سے گزرنا پڑے عنان وقت کی گرفت میں رہنا ہی ان کے حق میں فال نیک ہے۔ انہی رویوں کے عکاس مشتاق اعظمی کے افسانوں میں موضوعات کا تنوع اور خود بیتی وجگ بیتی کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ یہاں نسائی و غیر نسائی کردار جب 'میں' کے قالب میں ڈھلتے ہیں تو قاری دوران مطالعہ شعوری طور پر اپنے وجود کا جزو لازم جانتے ہوئے اُن کے ساتھ چلتا چلا جاتا ہے۔ جنس، وفاداری و بے وفائی، ہجر و وصال، حالات حاضرہ، فلسفۂ حیات، انانیت، مامتا کا درد، زہر تعصب اور پردۂ سیمیں کے پس پردہ کارفرمائیوں کو انھوں نے متنوع کرداروں کے توسط سے زندگی عطا کی ہے۔

مشتاق اعظمی کا 'نارسیدہ' ڈیڑھ درجن افسانوں اور ایک مرکزی ویکول افسانے پر مشتمل ہے۔ یوں تو اس مجموعے میں حسب روایت دو بزرگ ادیب اور ایک ہم عصر فنکار کی رائے کی شمولیت ہے مگر ناٹک افسانہ کا تجزیہ ان پر بازی مار لے جاتا ہے۔ اس کی اہم وجہ افسانہ نگار کو خلق رکھ کر صرف افسانے کی جزئیات سے بحث ہے۔ مشمولات میں شب تنہائی، نارسیدہ، ان کہی، نصف کمل، بجھی ہوئی سگریٹ، یہ وفا کی سخت راہیں اور فرینڈ شپ میں جنسی تعامل کی کارفرمائی ہے تو کال پاترا، سفر تعصب، دوسری موت، اپنا گھر، قطرہ قطرہ احساس اور اذان میں مرد و زن کے تعلقات کی نئی جہات سامنے آتی ہیں۔ 'ہم نفس' تجریدی تجربہ ہے تو 'دھند میں اُبھرتا چہرہ' اور 'رتھ یاترا' حالات حاضرہ کے آئینہ دار ہیں۔ میری نظر میں 'ایک خیال دو انجام' کا تجربہ اس مجموعہ کا اختصاص ہے۔ اسی لیے 'اغلا اور نان سنس' کا ۹۵ فیصد حصہ یکساں ہے اور اختتامیہ دو مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ فکری زاویے اور سماجی تانے بانے کتنے مراحل سے گزرتے ہیں اس کی بہترین تصویر کشی یہاں نظر آتی ہے۔

کردار کی تزئین کاری پر ہی بس نہیں وہ ہمیں رمز حیات سے بھی آشنا کرواتے ہیں۔ یہ اقتباسات دیکھیے:

"ویسے میں اناڑی ہوں۔ تجربہ وقت سکھاتا ہے جو بغیر کال بیل دبائے آجاتا ہے۔ اُس کے آنے کے بارے میں ہم بھی نہیں سوچتے۔ سرو کا جھنکاؤ سوکھے کھیتوں کے درمیان دھواں جیسا ہوتا ہے۔"

(کال پاترا صفحہ ۳۱)

"تن رنگ جائے تو من ضرور لگتا ہے۔ من رنگ جائے تو رانجھے کو تخت ہزارے سے اٹھا کر ہیر کے باغ میں لے آتا ہے اور رانجھا کشکول اٹھائے رنگ دار چوغا پہنے اپنا تن من جوگیوں کے رنگ میں رنگ کر گرگرا ہی دیتا ہے لیکن طعنہ برداشت نہیں کرتا۔"

(سفر تعصب صفحہ ۴۶،۴۷)

'نارسیدہ' افسانوں کے رگ وپے سے جرعہ جرعہ احساسِ حیات کشید کرنے والوں کو نارسیدگی کی سوغات نہیں دیتا، یہی اس مجموعے کا امتیاز ہے۔

■✿■

نام کتاب : قرۃ العین حیدر قاف تا قاف
مرتب : ہربنس سنگھ تصور
ضخامت : ۲۴۴ صفحات
قیمت : ۱۵۰ روپے
ناشر : موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۹-گولا مارکیٹ، دریا گنج نئی دہلی-۲
تبصرہ نگار : دیپک بدکی

بیسویں صدی کی مشہور فکشن نگار، نثر نگار اور اردو و انگریزی کی جرنلسٹ قرۃ العین حیدر کی ناول نگاری پر ہربنس سنگھ تصور نے پی ایچ ڈی ڈگری کے لیے ایک مقالہ بعنوان 'قرۃ العین حیدر بحیثیت ناول نگار' قلم بند کیا تھا۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے۔ کتاب کے مطالعے سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے مواد کو جمع کرنے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ ہربنس تصور ۱۵ اپریل ۱۹۳۸ء کو سری بچہ صاحب (حسن ابدال، پاکستان) میں پیدا ہوئے تھے اور تقسیم ملک کے بعد پنجاب میں سکونت پذیر ہوئے۔ پنجابی اور اردو میں ایم اے کرنے کے بعد اردو میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور پھر پنجاب سرکار کے محکمہ تعلقات عامہ میں ملازم ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی میں بحیثیت پارٹ ٹائم لیکچرر بھی کام کرتے رہے۔ تصور کا شعری مجموعہ 'صدا صدا منتظر' پہلے ہی منظر عام پر آچکا ہے۔

'قرۃ العین حیدر قاف تا قاف' بنیادی طور پر اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے جس میں قرۃ العین حیدر کی تمام کتابوں اور شائع شدہ وغیر شائع شدہ نگارشات کے بارے میں جانکاری، اہم نگارشات کا پس منظر اور دیگر کوائف درج کیے گئے ہیں۔ کتاب میں قرۃ العین کے آبا و اجداد، قریبی رشتے داروں، واقف کاروں اور دوستوں کے بارے میں بھی انفارمیشن دی گئی ہے۔ مرتب نے قرۃ العین حیدر کی پیدائش پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ان کی صحیح تاریخ ۲۰ جنوری ۱۹۲۶ء بتائی ہے۔ علاوہ ازیں تصور نے موصوفہ کے اہم خیالات و بیانات بھی ہائی لائٹ کیے ہیں تاکہ ان کی شخصیت کے نمایاں پہلو سامنے آئیں، مثلاً یہ کہ انھیں سیاحت، کتابیں جمع کرنے اور مصوری کا شوق تھا۔ ان کے گھر میں موسیقی کا کافی چرچا رہتا تھا۔ انھوں نے افسری، جرنلزم اور دستاویزی فلمسازی وغیرہ میں بھی اپنا جوہر دکھایا۔ قرۃ العین کے حوالے سے کچھ حقائق یہاں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

— بقول سید امجد حسین قرۃ العین نے اپنے عہد میں ہی اساطیری حیثیت حاصل کرلی۔
— 'آگ کا دریا' کے لیے پاکستان میں یہ بات پھیل گئی تھی کہ اسے حکومت کا عتاب جھیلنا پڑا۔
— عبداللہ حسین کے ناول 'اداس نسلیں' میں قرۃ العین کی نگارشات سے پورے پورے جملے اور پیراگراف نقل کیے گئے ہیں۔
— چاندنی بیگم کے ریویو پاکستان میں اچھے نہیں آئے کیونکہ پاکستانی اپنی تنقید برداشت نہیں کرتے۔
— بقول قرۃ العین: ۱- عام آدمی میرا موضوع کبھی نہیں رہا۔ ۲- کرشن چندر غیر اپنسندیدہ فن کار تھا۔ ۳- عصمت، ممتاز مفتی اور منٹو کے بغیر ہمارے جدید ادب کا کینوس مکمل نہیں ہوسکتا۔ ۴- مجھے انگریزی میں لکھنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ ۵- کچھ ناقدوں کو زعم ہے کہ وہ ادب میں کنگ میکر ہیں۔

زیر نظر کتاب حوالہ جاتی حیثیت رکھتی ہے اور قرۃ العین حیدر کے تخلیقی سفر کی نشاندہی کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ موصوفہ پر تحقیقی و تنقیدی کام کرنے والے اس کتاب سے قدم قدم پر استفادہ کرسکتے ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ مذکورہ کتاب اردو کی ہر لائبریری میں دستیاب ہونی چاہیے۔

○○○

بقیہ: اردو ذریعہ تعلیم کے امکانات

صفحہ ۳ سے آگے

طلبہ اپنی زبان میں انگریزی اور دوسری زبانوں کے الفاظ بھی کافی تعداد میں استعمال کرتا ہے جس سے اردو کا لسانی ڈھانچہ تباہ ہو رہا ہے۔ یہ صرف اس وجہ سے نہیں کہ اردو میں سائنسی اور تکنیکی الفاظ کی کمی ہے بلکہ اعلا اور درمیانی طبقے کے اردو داں لوگوں کو اپنے اجداد کے اس رویئے کے نتائج بھی بھگتنا پڑ رہے ہیں جو انھوں نے جدید تعلیم کو اپنانے سے انکار کرکے اس وقت پیدا کیے جب ۱۸۷۵ء میں سرسید احمد خاں نے 'محمڈن اینگلو اورینٹل کالج' کی بنیاد ڈالی تھی۔ آزادی کے بعد تعلیمی پالیسیاں مرتب کرتے وقت ہماری قومی پالیسی نے اکثر علاقائی زبانوں کے مفادات کو نظر انداز کیا ہے۔ اس بحث کا یہ مناسب موقع نہیں مگر اردو تعلیم کی طرف سے بالعموم جو بے اعتنائی برتی گئی اس نے میڈیم کے طور پر اردو تعلیم کے امکانات کو قومی سطح اور مین اسٹریم ایجوکیشن کے

تناظر میں تقریباً معدوم کر دیا۔

تمام تر نامساعد حالات کے باوجود اردو ذریعہ تعلیم کے احیا کے لیے راستے تلاش کرنے پڑیں گے۔ اس سلسلے میں قومی اردو کونسل نے جو لائحۂ عمل مرتب کیا ہے وہ موجودہ حالات میں اردو تعلیم کے نظام کی شیرازہ بندی کا بہترین منصوبہ ہے۔ اردو تعلیم کی موجودہ صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے اعداد و شمار جمع کر کے ایک جامع رپورٹ تیار کرنے کا منصوبہ قومی کونسل کی بے پناہ مفید تجویز ہے مگر ضرورت اس کو مسلسل اپ ڈیٹ کرتے رہنے کی ہے۔

اردو داں طبقے کو سرکاری مدد کے بغیر بھی خود کو ترقی دینے کی راہ پر گامزن ہونا پڑے گا۔ اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ پچھڑے اور نچلے درمیانی مسلم طبقات کے مذہبی جذبات زیادہ قوی ہوتے ہیں، ان کے لیے مدارس اور مکاتب کے ذریعے اردو کو فروغ دینا آسان ہوگا۔ مدارس اپنے تعلیمی امور میں اردو کو زیادہ سے زیادہ استعمال بھی کرتے ہیں۔ بہار میں اردو نے ترقی کی منزلیں دینی مدارس کے واسطے سے ہی سر کی ہیں۔

ہندستان کی دیگر لسانی اقلیتوں کے تناظر میں اردو داں آبادی کے اشرافیہ اور متوسط طبقات کا رویہ خاصا مایوس کن ہے۔ کوئی زبان اس وقت تک ترقی کی اعلا منزلیں سر نہیں کر سکتی جب تک معاشرے کے اعلا طبقات اس زبان کو اختیار نہ کریں۔ مادی ترقی اور تہذیبی و ثقافتی امور کا زندگی میں دخل دو ایسے امور ہیں جن کی اہمیت اپنی اپنی جگہ مسلّم مگر تہذیبی و ثقافتی امور بلاشبہ ترجیح کے حامل ہیں۔ جنوبی ہند اور بنگال وغیرہ کے متوسط طبقات کا اپنی زبان اور تہذیب و ثقافت کے تئیں جو شغف رہتا ہے، اردو لسانی اقلیت نے اس سے کوئی سبق نہیں لیا۔ اب تک کے مطالعات کے مطابق اردو لسانی اقلیت کے متوسط طبقات نہ صرف اردو کو خیرباد کہہ رہے ہیں بلکہ اپنے بچوں کو نہ پڑھانے کے عجیب و غریب جواز پیش کر کے جس طرح غلط بحث پیدا کر رہے ہیں اس نے اردو تعلیم کے حوالے سے پورے ملک کو گمراہ کر دیا ہے۔

اردو ذریعہ تعلیم کا فروغ اردو لسانی اقلیت کی اولین ضرورت ہے مگر جہاں یہ فوراً ممکن نہیں وہاں ایک اختیاری مضمون کے طور پر تمام تعلیمی اداروں میں اردو کی تعلیم کا نظم ہونا چاہیے۔ یونیورسٹیوں کے اردو شعبوں نے بھی اردو تعلیم سے متعلق غلط بحث پھیلانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اردو شعبوں نے اعلا تعلیم کے میدان میں بھی کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔ یہ شعبے اردو کے وقیع ترین ادبی سرمایے کو اعلا تعلیم یافتہ طبقات کی زندگی میں کسی بھی حیثیت سے داخل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نہ صرف قومی لسانی پالیسی میں اردو شعبوں کے رول پر ازسرِ نو غور کیا جائے بلکہ یونیورسٹیوں کے نصاب اور اردو میں داخلے کے نظام پر بھی ازسرِ نو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اردو جو ایک جدید زبان ہے اسے دوسری کلاسیکی زبانوں فارسی، عربی اور سنسکرت کے زمرے میں بھی شامل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر یہ کام کیا جا سکے تو مجھے یقین ہے کہ روزگار کے مواقع ان لوگوں کو فراہم ہو سکیں گے جنھوں نے اردو میڈیم سے تعلیم حاصل کی ہے اور اس طرح اردو کو صرف مسلم طبقے کی زبان کہلانے سے بھی روکا جا سکے گا۔ ایک اہم بات جو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اردو کے رسم خط سے تو واقف نہیں مگر اردو زبان و ادب کے بارے میں جاننے کا شوق رکھتے ہیں۔ اس لیے وسیع پیمانے پر اردو کے علمی اور ادبی کارناموں کا دیگر مقامی زبانوں میں ترجمہ کرنا چاہیے تاکہ ایسے لوگ بھی اردو زبان و ادب کی عظمت سے واقف ہو سکیں۔ دراصل یہی کام یونیورسٹی کے اردو شعبوں کے کرنے کا تھا مگر اب وہاں اس کام کے ہونے کی کوئی توقع نہیں۔ اردو ادب کی عظمت سے واقفیت کا خواہاں ایک وہ طبقہ بھی ہے جو یورپ، امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں رہتا ہے۔ ان کے لیے یورپین زبانوں میں اردو کتابوں کے تراجم ہونے چاہییں، خاص کر انگریزی میں۔ یہ ذمے داری سرکاری امداد یافتہ اداروں مثلاً اردو اکادمیوں اور اردو داں طبقے کے رضاکار اداروں کو خود اٹھانی چاہیے یا ان نجی اداروں اور ٹرسٹوں کو جو مسلم تعلیم کے سوال سے وابستہ ہیں۔

آخر میں چند الفاظ اس عزم و ارادے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے ضمن میں کہنا چاہتا ہوں جس میں اردو زبان و ادب کی وسعت کی بات ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چوں کہ اردو کا رسم خط فارسی ہے اس وجہ سے بہت ہی کم غیر مسلم اس کو پڑھ پاتے ہیں اور وہ اردو شعرا اور ادبا جن کا کلام دیوناگری لپی میں موجود ہے مثلاً فیض، اختر الایمان، منٹو اور عصمت چغتائی وغیرہ، ان کے قارئین کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے اردو رسم خط تبدیل کر دیا جانا چاہیے۔ میرے خیال میں ایسا کرنا تو دور، اردو رسم خط کی تبدیلی کے بارے میں سوچنا بھی اردو والوں کے لیے خودکشی کے مترادف ہوگا۔ رسم خط تبدیل ہوتے ہی اردو ہندی زبان میں ضم ہو جائے گی جس کی کوششیں گزشتہ ڈیڑھ سو برسوں سے ہو رہی ہیں۔ ہمیں اس سلسلے میں بالکل نہیں بھولنا چاہیے کہ تازہ مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق 40 فیصد سے بھی زیادہ اردو بولنے والے لوگوں نے اپنی مادری زبان ہندی درج کرائی ہے اسی لیے اردو کو اپنا رسم خط قائم رکھنے کا پورا اختیار ہونا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ اکیسویں صدی میں ہندستان کی تہذیبی تاریخ کا حصہ بھر بن کر رہ جائے۔

حواشی:

۱۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو اطہر فاروقی کا مضمون Urdu Education in India, Economic & Polotical Weekly, Bombay, Vol. XXXIX, No. 14, April 2,1994.

۲۔ اسکول آف اورینٹل اینڈ افریکن اسٹڈیز لندن یونیورسٹی کے سابق استاد رالف رسل نے اردو کے لیے دیوناگری لپی کی بھی حمایت زور شور سے کی ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ان کا مضمون Urdu in India Since Independence, Economic & Polotical Weekly, Bombay, Vol. XXXIV, Nos. 1&2.

(انگریزی سے ترجمہ: ڈاکٹر اسرار حسین)

● ● ●

باقیہ: بین الاقوامی غالب سیمینار

صفحہ ۸ سے آگے

حسین کے عمل میں ردِ عمل کا رجحان پایا جاتا ہے جو ان کا اپنا طریقۂ کار تھا۔ انھوں نے کہا کہ احتشام حسین مارکسی فکر رکھتے تھے۔ پروفیسر عتیق اللہ نے کہا کہ پروفیسر احتشام حسین کہتے تھے کہ ترقی پسندی کچھ بھی نہیں ہے اگر وہ بندھے ٹکے اصولوں پر کام کرتی ہے۔

اتوار کو سیمینار کے پانچویں اجلاس کی صدارت پروفیسر عتیق اللہ نے کی جبکہ نظامت کے فرائض ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی نے انجام دیا۔ اس اجلاس میں پروفیسر علی احمد فاطمی نے 'احتشام حسین کا تصور تہذیب' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے احتشام حسین کے تقریباً ایک درجن مضامین کا جائزہ لیا جو زبان و تہذیب پر مشتمل تھے۔ انھوں نے کہا کہ احتشام حسین کا خیال تھا کہ زبان کے بغیر تہذیب کا تصور ممکن نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ اردو میں پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ بڑے پیمانے پر تہذیب اور زبان کے حوالے سے ادب کا جائزہ لیا گیا۔ معروف ترقی پسند ادیب و ناقد عابد سہیل نے احتشام حسین کی خدمات کا جائزہ لیا۔ معروف افسانہ نگار رتن سنگھ نے افسانوی انداز میں پروفیسر احتشام حسین کا شاندار خاکہ پیش کیا۔ انھوں نے ان کے انسانی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ڈاکٹر صالحہ زرین نے احتشام حسین کے سفرنامہ 'ساحل اور سمندر' کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جب کہ وہاب قیصر نے احتشام حسین کے تمام سفرناموں کے حوالے سے گفتگو کی۔

چھٹے اجلاس کی صدارت پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کی جب کہ نظامت کے فرائض وسیم راشد نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں پروفیسر شمیم حنفی، پروفیسر عتیق اللہ، مصر یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر یوسف عامر نے اپنے مقالات پیش کیے۔ پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ پروفیسر احتشام حسین میرے استاد تھے اور حقیقت یہ ہے کہ ہمارے جو بھی استاد تھے وہ قدامت پرست نہیں تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے بھی کچھ غلطیاں ہوئی ہیں کیوں کہ ایک عمر ایسی ہوتی ہے جب بہت کچھ جذباتی انداز میں لکھا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ لکیر پیٹنے کی بجائے اب صحت مند طریقے سے ادب کا جائزہ لینا چاہیے۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کہا کہ یہ سچ ہے کہ ایک وقت گزر جانے کے بعد ترقی پسندوں میں بھی خاصی تبدیلی آئی ہے۔ ساتویں اجلاس کی صدارت پروفیسر محمد زماں آزردہ نے کی جب کہ نظامت کے فرائض ڈاکٹر شعیب رضا خاں وارثی نے انجام دیے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر علی جاوید، پروفیسر انیس اشفاق، معین الدین جینابڑے، پروفیسر لطف الرحمٰن، ڈاکٹر کشمیری لال ذاکر اور ضیاء الدین شکیب نے اپنے مقالات پیش کیے۔ اختتامی اجلاس میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر شاہد ماہلی نے آئے ہوئے تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ سیمینار کے آخری دن شب میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے ہم سب ڈرامہ گروپ کی طرف سے 'دلی کا آخری مشاعرہ' کے عنوان سے ایک تاریخی ڈرامہ بھی پیش کیا گیا جسے مشہور ڈرامہ نگار جناب سعید عالم نے تحریر کیا تھا۔ اس ڈرامے میں ہندی فلم کے معروف اداکار جناب ٹام آلٹر نے خصوصی طور پر اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ ان تین دن کے سیمینار میں دلی کی تینوں یونیورسٹی کے طلبہ، ریسرچ اسکالرز اور اساتذہ کے علاوہ بڑی تعداد میں مختلف علوم و فنون کے افراد موجود تھے۔

● ● ●

مشاہیر کے خطوط

انجمن ترقی اردو (ہند) کے آرکائیوز میں بڑی تعداد میں اکابرین کے خطوط محفوظ ہیں، لیکن ہمارا تجربہ ہے کہ ادھر کچھ برسوں سے اکابرین کی تخصیص کے بغیر ہی ہمارے پاس خطوط آ رہے ہیں اس لیے ہم نے طے کیا ہے کہ اب آرکائیوز میں صرف مشاہیر اور اکابرین کے ہی خطوط محفوظ کیے جائیں گے۔ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ خطوط ارسال کرنے سے پہلے دیکھ لیں کہ مذکورہ خطوط اکابرین کے خطوط کے زمرے میں آتے ہیں کہ نہیں، ورنہ ایسے خطوط کا محفوظ کرنا ہمارے لیے مشکل ہے اور ایسے خطوط ضائع کر دیے جائیں گے۔ (ادارہ)

غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام

'ہمارا کلاسیکی ادب اور ترقی پسند تنقید' کے موضوع پر

سہ روزہ (۲۱ تا ۲۳ / دسمبر ۲۰۱۲ء) بین الاقوامی غالب سمینار

نئی دہلی۔ ترقی پسند تحریک سے ہندستان میں کوئی انقلاب تو نہیں آیا مگر ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں اور مختلف میدانوں میں کام کرنے والے لوگ متحد ہوئے۔ ترقی پسند تحریک نے اقدار پر زور دیا اور علم و ادب کا ہم رکاب بنا دیا۔ ان خیالات کا اظہار معروف ادیب و صحافی جناب عابد سہیل نے غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام سالانہ جلسہ تقسیم غالب انعامات و بین الاقوامی سمینار کے افتتاح کے موقع پر ایوان غالب میں منعقد ایک پروقار تقریب میں اظہار خیال کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر پاکستان کے پنجاب آرٹ کونسل کے چیئرمین عطاء الحق قاسمی نے کہا کہ ترقی پسند تحریک سے قبل بھی ترقی پسندی تھی اور بعد میں بھی ترقی پسندی پائی جاتی ہے۔ کناڈا کے معروف ادیب ڈاکٹر سید تقی عابدی نے ترقی پسند تحریک کے دور کی شاعری و ادبی خدمات کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ترقی پسند تحریک نے پرانی سوچ بدلی، نئے خیالات و احساسات پیدا کیے اور نئی چیزوں کی تشریح کے علاوہ معیار حسن کو بدلا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے غالب کے کلام اور ان کے موضوعات کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے ترقی پسند تحریک کے اغراض و مقاصد اور تاریخ بیان کی۔ انھوں نے اس کی اہمیت و خدمات اور ادب پر اس کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس سال ترقی پسند تحریک کے قیام کے ۷۵ سال پورے ہونے پر بین الاقوامی غالب سمینار کا موضوع "ہمارا کلاسیکی ادب اور ترقی پسند تحریک" رکھا گیا۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے سمینار میں پڑھے جانے والے تقریباً ۳۰ سے زائد مقالوں کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا اعلان بھی کیا۔ اس موقع پر انھوں نے سابق وزیر اعظم آنجہانی اندر کمار گجرال اور امیر حسن عابدی کے انتقال پر اظہار تعزیت بھی کیا۔ اس افتتاحی تقریب کی نظامت کرتے ہوئے ڈاکٹر رضا حیدر نے غالب انسٹی ٹیوٹ کی سالانہ کارکردگی و ادبی سرگرمیوں کی تفصیلات اور مہمانان کا تعارف پیش کیا۔ بعد ازاں غالب انسٹی ٹیوٹ کی شائع کردہ پروفیسر احتشام حسین کی کتاب 'غالب کا تفکر'، پروفیسر وہاب قیصر کی تصنیف 'نظریہ چشم غالب'، ڈاکٹر سید احسن الظفر کی 'بیدل و غالب'، پروفیسر علی احمد فاطمی کی 'غالب اور الہ آباد'، تحسین فراقی (پاکستان) کی 'غالب اور فکر و آہنگ' اور پروفیسر حنیف نقوی کی تصنیف کردہ کتاب 'غالب اور جہان غالب' کا ڈاکٹر تقی عابدی اور عطاء الحق قاسمی کے ہاتھوں اجرا عمل میں آیا۔ علاوہ ازیں اس موقع پر غالب انسٹی ٹیوٹ کے رسالہ 'غالب نامہ' کے جولائی ۲۰۱۲ اور جنوری ۲۰۱۳ کے شمارے کا اجرا بھی کیا گیا۔ آخر میں جسٹس بدر دریز احمد اور ڈاکٹر پرویز احمد نے دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے سابق صدر پروفیسر شفیق اللہ (دہلی) کو اردو تحقیق و تنقید کے لیے فخر الدین علی احمد غالب انعام برائے ۲۰۱۲ سے سرفراز کیا۔ پروفیسر آذرمی دخت صفوی (علی گڑھ) کو فخر الدین علی احمد غالب انعام برائے برائے فارسی تحقیق و تنقید سے نوازا گیا۔ بعد ازیں اردو شاعری کے لیے کرشن کمار طور (دھرم شالہ) کو، اردو نثر کے لیے پروفیسر محمد ذاکر (دہلی) کو اور پروفیسر کلیم احمد عاجز (پٹنہ) کو مجموعی ادبی خدمات کے لیے غالب انعام ۲۰۱۲ء سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ اردو ڈرامہ کے لیے پروفیسر نور الحسن علی (ممبئی) کو ہم سب غالب انعام ۲۰۱۲ء عطا کیا گیا۔ پروگرام کے آخر میں غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر شاہد ماہلی نے تمام مہمانان اور شرکا کا شکریہ ادا کیا اور ایوارڈ یافتگان کو مبارک باد پیش کی۔ بعد میں شام غزل پروگرام میں معروف غزل سنگر آنجہانی جگجیت سنگھ کے شاگرد امریش مشرا (ممبئی) نے غزلیں پیش کیں۔

بین الاقوامی غالب سمینار کے دوسرے دن کے پہلے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے آئی سی سی آر کے سابق وائس چیئرمین جناب شاہد مہدی نے فرمایا کہ اکیسویں صدی کے آغاز میں عالمی سطح پر جس قسم کا فاشزم منظر عام پر آیا ہے، وہ عام زندگی کے ساتھ ادبی زندگی کو بھی متاثر کر رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ عصری فاشزم کے خلاف جنگ چھیڑنے کے لیے ایک بار پھر ترقی پسند تحریک کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے خواہ اس کی شکل و صورت کچھ بھی ہو۔ انھوں نے ادیبوں، نقادوں، شاعروں اور فنکاروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عہد حاضر میں جو حالات پیدا ہو گئے ہیں اور جس قسم کا فاشزم منظر عام پر آیا ہے کیا ایسا نہیں لگتا کہ یہ وہی حالات اور وہی فاشزم ہے جو بیسویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں تھا؟ "ہمارا کلاسیکی ادب اور ترقی پسند تنقید" کے موضوع پر منعقد ہونے والے اس سمینار کے دوسرے دن چار اجلاس منعقد کیے گئے جس میں تقریباً ۱۸ مقالات پیش کیے گئے۔ دو ایک مقالات کو چھوڑ کر تقریباً سبھی مقالہ نگاروں نے موضوع سے انصاف کرنے کی کوشش کی اور کلاسیکی ادب کے حوالے سے ترقی پسند تنقید کے رویے کا جائزہ لیا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے اس سمینار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ترقی پسند، جدیدیت اور مابعد جدیدیت وغیرہ کے ہر دبستان اور ہر نظریۂ فکر کے ادیبوں اور نقادوں کو مدعو کیا گیا تھا جس کی وجہ سے ترقی پسند تنقید کی خوبیوں اور خامیوں دونوں کا بہت متوازن انداز میں جائزہ اور مطالعہ پیش کیا گیا۔ پاکستان کی معروف شاعرہ اور ادیبہ کشور ناہید نے اپنی صدارتی تقریر میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ عہد حاضر میں کس طرح جدیدیت کے علمبردار آج ترقی پسند نظریے کے قریب ہو رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آج جو حالات پیدا ہو گئے ہیں انتظار حسین جیسا افسانہ نگار یہ کہہ رہا ہے کہ میں دہشت گردوں کے ساتھ نہیں ہوں۔ معروف پاکستانی اسکالر پروفیسر اصغر ندیم سید نے ترقی پسند نقادوں میں پائے جانے والے کنفیوژن پر روشنی ڈالی، لیکن یہ بھی کہا کہ کل کا رجعت پسند انتظار حسین آج ترقی پسندوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہا ہے۔ ایک اور معروف پاکستانی اسکالر اور کالم نگار عطاء الحق قاسمی نے کہا کہ موجودہ حالات میں بعد غالب کی معنویت بڑھ گئی ہے۔ کناڈا سے آئے ڈاکٹر سید تقی عابدی نے ترقی پسند تنقید کا جائزہ فیض احمد فیض کے حوالے سے لیا اور کہا کہ ترقی پسندوں نے سب سے زیادہ اپنی تنقید کو نقصان پہنچایا۔ ہندستانی ادیبوں میں پروفیسر امن کنول، پروفیسر ابوالکلام قاسمی، پروفیسر صغیر افراہیم، ڈاکٹر خالد اشرف، ڈاکٹر خالد علوی، ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب، ڈاکٹر ارجمند آرا، پروفیسر وہاب قیصر، ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی، پروفیسر ظہور الدین، ڈاکٹر محی عبدالرحمٰن (تاشقند)، ڈاکٹر یعقوب یاور، پروفیسر نیر پانڈے، پروفیسر محمد زماں آزردہ اور پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی کے علاوہ کئی دیگر ناقدین نے اپنے مقالات پیش کیے جب کہ صدارت سید شاہد مہدی، ڈاکٹر اسلم پرویز اور عابد سہیل نے کی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر رضا حیدر، ڈاکٹر اشفاق عارفی، ڈاکٹر ندیم احمد اور ڈاکٹر راشد عزیز نے انجام دیے۔ دوسرے دن شام میں عالمی مشاعرہ کا بھی انعقاد کیا گیا جس کی صدارت کینیڈا سے تشریف لائے مہمان اسکالر ڈاکٹر تقی عابدی نے کی۔ اس مشاعرے میں ملک اور بیرون ملک کے اہم شعرا نے اپنے عمدہ کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

سمینار کے آخری دن معروف ترقی پسند ادیب و ناقد پروفیسر احتشام حسین کے تنقیدی کارناموں پر قابل قدر مقالات پیش کیے گئے اور ان ناقدین کو جواب دینے کی کوشش کی گئی جنھوں نے احتشام حسین کو شدت پسند ترقی پسندوں میں شمار کرنے کی کوشش کی تھی۔ پروفیسر احتشام حسین کی تنقید کا جائزہ لیتے ہوئے معروف ناقد و محقق پروفیسر شفیق اللہ نے کہا کہ کوئی بھی تنقید تضادات سے خالی نہیں ہوتی۔ انھوں نے کہا کہ احتشام

(بقیہ صفحہ ۲ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں   مطبوعہ: فخر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی- ۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۰ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@anjumantaraqqiurduhind.org
http://www.anjumantaraqqiurduhind.org